

اس لئے کہ یہ اُس خدا کا قانون ہے جو ہر بات سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ جب

نباہ کی شکل باقی نہ رہے تو پھر الگ ہو جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔

قرآن کریم کے اس حکم کی روشنی میں، اسلامی حکومت، ان لوگوں کے لئے جو بیویوں کو بساتے نہیں یا جو مفقود الخبر ہو جاتے ہیں، مناسب قوانین وضع کر سکتی ہے۔ مقصد قرآن کا یہ ہے کہ عورت کو کسی حالت میں بھی خاوند کے رحم و کرم پر نہ چھوڑا جاتے۔ اس کے حقوق کی پوری پوری حفاظت کی جائے۔

(۱)

۱۱) طلاق

نکاح، بالغ، عاقل، مرد اور عورت کی کامل رضامندی سے، ازدواجی زندگی بسر کرنے کا معاہدہ ہے قرآن ایسی تعلیم دیتا ہے جس کی رو سے یہ معاہدہ بہ حسن و خوبی طے پاتے کیونکہ قوم کی عمرانی زندگی کا دار و مدار، گھر کی خوشگوار فضا اور مساعد ماحول پر ہے۔ اسی سے آنے والی نسلوں کی صحیح تربیت ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود، اگر کبھی ایسی صورت پیدا ہو جاتے جس سے میاں بیوی میں نباہ کا امکان باقی نہ رہے، تو اُس وقت قرآن اس معاہدہ کو فسخ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اسے طلاق کہتے ہیں (طلاق کے معنی ہیں، نکاح کے معاہدہ یا پابندی سے آزاد ہو جانا)۔ طلاق کے اس مفہوم کو اچھی طرح ذہن میں رکھیے۔

نکاح کے لئے تو اس نے اس معاملہ کو فریقین کی مرضی پر چھوڑا تھا کیونکہ یہ ان کا انفرادی مسئلہ تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ فسخ نکاح کا معاملہ انفرادی نہیں رہتا۔ اس میں فریقِ مقابل کے، نیز بعض اوقات ان کی اولاد کے مفادات پر زور پڑتی ہے۔ اس لئے اُسے، اُس نے معاشرہ کا اجتماعی مسئلہ قرار دیا ہے، اور اس سلسلہ میں معاشرہ کو ضروری ہدایات دی ہیں۔ اس ضمن میں ایک اصولی بات واضح ہے اور وہ یہ کہ جب اس معاہدہ کے لئے فریقین کی رضامندی ضروری تھی تو یہ ہو نہیں سکتا کہ اس معاہدہ کو ٹوٹنے کے لئے، ایک طرف ایک فریق (خاوند) کو کھلی اختیار دے دیا جائے کہ وہ جب جی چاہے طلاق۔ طلاق۔ طلاق کہہ کر، بیوی کو گھر سے نکال دے۔ اور دوسری طرف، فریقِ ثانی (بیوی) کو اس قدر مجبور بنا دیا جائے کہ اُسے اس پابندی سے کلو خلاصی کے لئے ہزار مشقتیں اٹھانی پڑیں۔ قرآن لے میاں اور بیوی کے حقوق اور ذمہ داریاں یکساں مقرر کی ہیں۔ اس لئے اس باب میں بھی دونوں کی پوزیشن ایک جیسی ہے۔ اب دیکھیے کہ وہ اس سلسلہ میں معاشرہ کو کیا ہدایات دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ :-

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا - إِنَّ
تُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا - إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا - (۲۵)

اگر تمہیں کسی میاں بیوی میں ناچاقی کا خدشہ ہو تو ایک ثالث خاوند کے خاندان سے اور ایک بیوی کے خاندان سے مقرر کرو۔ اس طرح، اگر میاں بیوی باہمی مصالحت کا ارادہ کر لیں دیا یہ دونوں ثالث ان میں اصلاح کی نیت سے موافقت پیدا کرنے کی کوشش کریں، تو قانون خداوندی، ان میں موافقت پیدا کر دے گا۔ اس لئے کہ اس کا قانون علم و آگہی پر مبنی ہے۔

شِقَاقَ بَيْنِهِمَا "میں مرد اور عورت دونوں آجاتے ہیں۔ یعنی اس باہمی اختلاف کی شکایت مرد کرے یا عورت، دونوں صورتوں میں معاشرہ کا فریضہ ہو گا کہ وہ ثالثی بورڈ مقرر کرے۔

اگر عورت خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رُضی محسوس کرے تو اس صورت میں بھی وہ خود صلح صفائی کی کوشش کریں، یا پھر ثالثی بورڈ مقرر کرالیں۔ اسی سورہ میں آگے چل کر کہا۔

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِن بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا - وَالصُّلْحُ خَيْرٌ - (۲۶)

اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو اس میں کوئی ہرج نہیں کہ وہ آپس میں صلح صفائی کر لیں۔ اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر مندرجہ بالا قاعدے کے مطابق، ثالثی بورڈ مقرر کرالیں، صلح بہر حال اچھی چیز ہے۔

سورہ مجادلہ میں ہے :-

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا
إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ - (۲۷)

اللہ نے اس عورت کی بات سُن لی ہے جو تجھ سے (اے رسول!) اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑ رہی تھی اور اپنی مطلوبیت کے متعلق خدا سے فریاد کر رہی تھی (اُس نے عدالتِ خداوندی میں استغاثہ دائر کیا تھا۔ اللہ تم دونوں کے سوال و جواب سُن رہا تھا۔ وہ سب کچھ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔)

اس سے بھی واضح ہے کہ عورت اپنا کیس (مقدمہ) لے کر عدالت میں جاسکتی ہے۔ یعنی عورت کو بھی (قانون کے مطابق) طلاق لے لینے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ لیکن ثالثی بورڈ کی اولین کوشش میاں بیوی میں مصالحت کی ہوگی۔

واضح رہے کہ قرآن کریم نے میاں اور بیوی دونوں کے سلسلہ میں طلاق کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ خلع کی اصطلاح قرآن میں نہیں آئی۔ نیز یہ جو کہا جاتا ہے کہ "خاوند نے بیوی کو حق طلاق تفویض کر دیا ہے" قرآن مجید کی رو سے صحیح نہیں جب بیوی کو بھی طلاق (فسخ نکاح) کا دیا ہی حق حاصل ہے جیسا میاں کو تو پھر خاوند کی طرف حق طلاق تفویض کرنے کے کیا معنی؟

اگر اس طرح مصالحت نہ ہو سکے تو جس ادارہ (عدالت) نے اس ثالثی بورڈ کا تقرر کیا تھا وہ فسخ نکاح کا اعلان کرے۔ اسے طلاق کہا جائے گا۔ سورۃ الطلاق میں ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ. (۲۵)

اے رسول! جب تم طلاق کے مقدمات کا فیصلہ کرو تو متعلقہ لوگوں سے کہہ دو کہ اس کے بعد عدت کا سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اسے ضرور پورا کرنا چاہیے۔

اس آیت میں مخاطب النبی کو کیا گیا ہے اور کہا یہ گیا ہے کہ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ: جب تم عورتوں کو طلاق دو! اس میں (طلقتنم) جمع کا صیغہ ہے جس سے واضح ہے کہ یہاں سوال رسول اللہ کا اپنی کسی بیوی کو طلاق دینے کا نہیں۔ دو ایسے بھی رسول اللہ کی کسی بیوی کے سلسلہ میں طلاق کا سوال پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ اس میں رسول اللہ کو حیثیت عدالت مخاطب کیا گیا ہے۔ یعنی جب وہ (بحیثیت عدالت) طلاق کے مقدمات کا فیصلہ کریں تو یوں کریں۔۔۔ اس سے واضح ہے کہ طلاق کا مسئلہ انفرادی نہیں کہ جب کسی کا جی چاہا، بیوی کو طلاق دے دی۔ اس کا فیصلہ عدالت مجاز کی طرف سے ہوگا۔ وہ پہلے مصالحتی بورڈ قائم کرے گی اور اگر مصالحت کی کوشش ناکام رہ جائیگی، تو پھر طلاق کا فیصلہ کرے گی۔

چونکہ عدت کا تعین (جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا) حیض کی نسبت سے ہوتا ہے، اس لئے شمار عدت میں آسانی کے لئے، طلاق کے فیصلے کا نفاذ عورت کے ایام سے فارغ ہو جانے کے بعد ہونا چاہیے۔ مندرجہ بالا آیت (۲۵) میں لِعِدَّتِهِنَّ کے بعد "وَاحْصُوا الْعِدَّةَ" آیا ہے۔ (یعنی عدت کا شمار کیا جائے گا) عدالت اپنے فیصلے میں اس کی تصریح کر دے۔

اگر عدالت مجاز یہ دیکھے کہ مرد نباہ نہیں کرنا چاہتا تو وہ عورت سے کچھ لئے بغیر، طلاق کا فیصلہ کر دے گی۔ سورۃ النساء میں ہے:-

وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا

مِنْهُ شَيْئًا. اتَّخَذُوْنَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا. وَكَيْفَ تَأْخُذُوْنَهُ وَقَدْ
أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَآخُذْنَ مِنْكُمْ مِّمَّا قَا عَلِيًّا. (۲۰۰)

اور اگر تم یہ فیصلہ کر لو کہ ایک بیوی کو طلاق دے کر، کسی اور جگہ نکاح کرنا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ
محض نئی عورت سے شادی کرنے کا شوق، طلاق کے لئے وجہ جواز ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر، اُن
شرائط کے مطابق، جن کا ذکر آگے چل کر آئے گا، طلاق تک کی نوبت پہنچ جاتے۔ اور تم اپنی بیوی کو
سونے کا ڈھیر بھی دے چکے ہو، تو اس سے کچھ واپس نہ لو۔ (البتہ اگر طلاق کا مطالبہ عورت کی طرف سے ہو تو
پھر اس میں سے کچھ لیا جاسکتا ہے، (۲۰۱) یا اگر اس سے بے حیاتی کا ارتکاب ہوا ہو، تو۔ (۲۰۲)۔ لیکن جب
ایسی صورت نہ ہو، اور تم اس (بچاری) کے خلاف ناحق تہمتیں لگا کر کچھ وصول کرنا چاہو، تو یہ ایک کھلا ہوا
گناہ ہے۔ یعنی ایسی معیوب حرکت جس کے مذموم ہونے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

جو کچھ تم نے اُسے دیا تھا وہ کیسے واپس لے سکتے ہو، درآں حالیکہ تم میں زنا شونی کے تعلقات رہ
چکے ہیں اور تمہاری بیویاں نکاح کے وقت تم سے اپنے حقوق کے تحفظ کا پورا عہد لے چکی ہیں۔ لہذا
تمہارے لئے اس معاہدہ کا احترام ضروری ہے۔

لیکن عورت اگر فحش کی مرتکب ہو تو

وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِيَسُدَّوْا بِبَعْضٍ مَّا اتَّيْمُوْهُنَّ اِلَّا اَنْ يَّاتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ
مُّبَيِّنَةٍ. (۲۰۲)

تمہارے لئے یہ قطعاً جائز نہیں کہ اگر وہ تمہارے نکاح میں نہ رہنا چاہیں تو انہیں اس نیت سے روک
رکھو کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو، اس میں سے کچھ ہتیا لو، بجز اس کے کہ ان سے کھلی ہوئی بے حیاتی کا
ارتکاب ہوا ہو۔

یا وہ خود نباہ نہ کرنا چاہے، تو عدالت عورت سے کچھ ہرجانہ دلا سکتی ہے۔ سورہ بقرہ میں ہے:-

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَأْخُذُوْا مِمَّا اتَّيْمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا
حُدُوْدَ اللّٰهِ. فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا
اَفْتَدَتْ بِهٖ. (۲۰۳)

طلاق کی صورت میں اس کی اجازت نہیں کہ جو کچھ تم عورتوں کو دے چکے ہو اُس میں سے کچھ بھی واپس لو۔

ہاں اگر کسی وقت ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ ایک طرف یہی چیز ان کی علیحدگی کے راستے میں حائل ہو رہی ہو، اور دوسری طرف 'میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے میں انہیں خدشہ ہو کہ (تعلقات کی کشیدگی کی بنا پر) وہ حقوق و واجبات ادا نہیں کر سکیں گے جو قانونِ خداوندی نے ان پر عائد کر رکھے ہیں۔ اور معاشرہ کا نظام عدالت بھی اسی نتیجہ پر پہنچے اور سمجھے کہ خاوند کو واقعی کچھ معاوضہ ملنا چاہیے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے حق میں سے کچھ چھوڑ دے اور معاہدہ نکاح سے آزادی حاصل کر لے۔

ایسی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں کہ عورت بذمیتی سے نکاح کر کے مہر وصول کر لے اور اس کے بعد طلاق حاصل کرنے کی طرف قدم اٹھائے، تو مہر میں سے کچھ واپسی، ایسے اقدامات کی روک تھام کے لئے ممد ثابت ہوگی۔

عدالت کے اس فیصلہ یا اعلان کے بعد عورت کے لئے عدت کی میعاد شروع ہو جائے گی۔ عدت اس مدت کو کہتے ہیں جس کے اندر عورت دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی۔ اس کی تفصیل آگے چل کر آئے گی۔ اسے انتظار کا وقفہ کہتے۔ اس مدت میں عورت وہیں رہے گی اور اس کے نان و نفقہ کی ذمہ داری بھی اس کے (سابقہ) شوہر پر ہوگی۔ (تفصیل عدت کے عنوان میں ملے گی)۔ اس سلسلہ میں قرآن نے جو کچھ کہا ہے وہ غور طلب ہے۔

سورۃ الطلاق میں ہے :-

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ اَوْ قَارِهِنَّ بِمَعْرُوفٍ - (۲۵)

جب وہ مدت ختم ہونے کو ہو تو انہیں یا تو "معروف" طور پر رکھ لو۔ یا معروف طور پر الگ کر دو۔

سورۃ بقرہ میں ہے۔ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ط (۲۰۲)۔ اس کے بعد یا تو انہیں معروف طور پر روک لو۔ یا احسان کے ساتھ رخصت کر دو۔ (نیز ۲۰۲)۔ تیسری جگہ ہے۔ وَبَعُولَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرِدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ، اِنْ اَمَرَاذُ فَاِصْلَاحًا ط (۲۳۸)؟ ان کے خاوند اس کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ انہیں واپس لے لیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ عدت کے دوران انہیں رشتہ ازدواج کی استواری کا موقعہ دیا گیا ہے۔ اس کے لئے دو باتیں واضح ہیں۔

(۱) اگر طلاق بیوی نے حاصل کی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس خاوند کے ہاں بسنا نہیں چاہتی۔ اس لئے خاوند اسے مجبوراً دوبارہ اپنے ہاں نہیں لے جاسکتا۔ ہاں! اگر یہ عورت خود ہی اپنا ارادہ بدل لے تو اور بات ہے۔

(۲) اگر طلاق خاوند نے حاصل کی ہے، حالانکہ عورت اس کے ہاں بسنا چاہتی تھی تو اگر مرد اپنی اصلاح کا

ارادہ کر لیتا ہے تو یہ رشتہ استوار ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے قرآن نے کہا ہے کہ دیکھنا! ایسا کرنے میں کہیں نیت نہ رکھنا کہ دوبارہ زوجیت میں لے کر عورت کو تنگ کیا جائے۔ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَامًا لِّتَعْتَدُوا - وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ - (۱۳۳)۔ ان سے ازدواجی تعلقات اس نیت سے وابستہ نہ کرو کہ ان پر زیادتی کر کے انہیں تکلیف پہنچائی جائے جو ایسا کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔

اب اگلی بات یہ ہے کہ اس رشتہ کی استواری کے لئے معاہدہ نکاح کی تجدید کی ضرورت ہوگی یا سابقہ معاہدہ ہی برقرار سمجھا جائے گا۔ اس کے لئے قرآن نے "بالمعروف" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ "معروف" کے معنی ہیں وہ طریق جسے اسلامی معاشرہ، قرآنی راہ نمائی کی روشنی میں صحیح تسلیم (RECOGNISE) کر لے۔ لہذا، اگر معاشرہ اسے تسلیم کر لے کہ اس کے لئے از سر نو نکاح کرنے کی ضرورت نہیں تو یہ بھی درست ہوگا اور اگر یہ فیصلہ کرے کہ نہیں! اس کے لئے دوبارہ نکاح کرنا ہوگا تو یہ بھی صحیح ہوگا۔ "نکاح" بھی اس سے زیادہ کیا ہے کہ معاشرہ، میاں بیوی کی رضامندی کو (قرآن کے مطابق) صحیح تسلیم کر لے اسے (RECOGNISE) کرے۔ البتہ (۱۳۳) میں قرآن نے "نکاح" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جہاں کہا ہے۔ وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَبِغْنَ أَجْلَهُنَّ فَلَا تَعَصِلُوهُنَّ أَنْ يَتَّكِفْنَ أَنْزِلْنَ وَأَجْلُهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (۱۳۳)۔ جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کی مدت کے قریب پہنچ جائیں۔ اور یہ دسابقہ میاں بیوی، قاعدے اور قانون کے مطابق پھر ازدواجی زندگی بسر کرنے پر رضامند ہوں تو دوسرے افراد معاشرہ، تم ان عورتوں کو اس سے مت روکو! یہاں بھی "بالمعروف" کہا گیا ہے۔ یعنی اس قاعدے کے مطابق جسے نظام مملکت مقرر کرے۔ بنا بریں، حکومت کو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ عدت کے دوران رشتہ ازدواج کی تجدید ایسے طریق سے ہو جسے "نکاح" سمجھا جاسکے۔ اگر انہوں نے پھر سے میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے کا فیصلہ کیا، تو طریق بالاکا فرما ہوگا۔ اگر الگ ہو جانے کا فیصلہ کیا ہے تو اس کے لئے دو گواہوں کی ضرورت ہوگی۔ سورہ الطلاق میں ہے۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجْلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ قَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَى عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ - - - - (۶۲)

جب عدت کا زمانہ ختم ہونے کو آئے تو اس وقت اس معاملہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ اگر نباہ کی صورت ممکن دکھائی دے تو خواہ مخواہ علیحدگی کیوں اختیار کرو۔ قاعدے اور قانون کے مطابق میاں بیوی کی زندگی بسر کرو۔ لیکن اگر نباہ کی کوئی صورت نہ ہے تو پھر، قاعدے اور قانون کے مطابق علیحدہ ہو جاؤ اور اس آخری

فیصلہ پر اپنے میں سے دو گواہ مقرر کر لو جو کسی کی رُو رعایت نہ کریں، اور اسے فریضہ خداوندی سمجھ کر حق و انصاف سے گواہی پر قائم رہیں۔

اس کے بعد وہ رعایت ختم ہو جائے گی جو عدت کے دوران انہیں حاصل تھی۔

یہ میاں بیوی، خواہ عدت کے دوران پھر سے رشتہ استوار کر لیں اور خواہ الگ ہو جائیں۔ یہ ایک طلاق بہر حال محسوب ہو جائے گی۔

اگر اس جوڑے نے عدت کے دوران یا اس کے بعد میاں بیوی کی حیثیت اختیار کر لی لیکن اس کے بعد پھر سے طلاق کی نوبت آگئی تو اس کے لئے وہی کچھ کرنا ہوگا جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ یہ دوسری مرتبہ کی طلاق ہو جائے گی۔

اگر انہوں نے اس (دوسری طلاق) کے بعد پھر سے اس رشتہ کو استوار کر لیا لیکن اس کے بعد پھر طلاق کی نوبت آگئی تو یہ تیسری طلاق ہوگی۔ اس طلاق کے بعد یہ (نہ عدت کے دوران نہ اس کے بعد) میاں بیوی بن سکتے ہیں۔ اس لئے کہ الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (۲۲۹) ایک مرد اور عورت کی ازدواجی زندگی میں دو مرتبہ کی طلاق کے بعد تو اس کی اجازت ہے کہ وہ پھر سے میاں بیوی بن جائیں۔ لیکن اس کے بعد (یعنی تیسری مرتبہ کی طلاق کے بعد) اس کی اجازت نہیں۔

ہاں! اگر تیسری مرتبہ کی طلاق کے بعد عورت کہیں دوسری جگہ شادی کر لے اور وہاں بھی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ نوبت طلاق کی آجائے (یا وہ بیوہ ہو جائے) تو پھر یہ اگر چاہے تو اپنے پہلے خاندان سے از سر نو نکاح کر سکتی ہے۔ سورہ بقرہ کی آیات ۲۳۰، ۲۲۹ میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ انہیں درج ذیل کیا جاتا ہے۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ. وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ. فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ. تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا. وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ.

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا يَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ. وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ. (۲۳۰-۲۲۹)

یا درکھو! ایک مرد اور عورت کی ازدواجی زندگی میں دو مرتبہ تو ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ طلاق کے بعد، عدت کے دوران میں یا اُس کے بعد، پھر سے قانون کے مطابق آپس میں نکاح کر لیں، یا حسن کارانہ انداز سے الگ ہو جائیں (لیکن اگر تیسری مرتبہ طلاق کی نوبت آجائے، تو اُس کے بعد وہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ بیٹھ، طلاق کی صورت میں اس کی اجازت نہیں کہ جو کچھ تم عورتوں کو دے چکے ہو اُس میں سے کچھ بھی واپس لے لو۔ ہاں اگر کسی وقت ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ ایک طرف یہی چیز اُن کی علیحدگی کے راستے میں حائل ہو رہی ہو اور دوسری طرف میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے میں ایشیں خدشہ ہو کہ (تعلقات کی کشیدگی کی بنا پر) وہ حقوق و واجبات ادا نہیں کر سکیں گے جو قانونِ خداوندی نے اُن پر عاید کر رکھے ہیں۔ اور معاشرہ کا نظامِ عدل بھی اسی نتیجہ پر پہنچے اور سمجھے کہ خاوند کو واقعی کچھ معاوضہ ملنا چاہیے، تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے حق میں سے کچھ چھوڑ دے اور معاہدہ نکاح سے آزادی حاصل کر لے۔

یہ قانونِ خداوندی کی حدود ہیں جن کی نگہداشت ضروری ہے۔ جو کوئی ان حدود سے تجاوز کرے گا وہ قانون کی نگاہ میں مجرم ہوگا۔

اگر کسی میاں بیوی کی ازدواجی زندگی میں دو مرتبہ کی طلاق (اور نکاح اول کو شامل کر کے تین مرتبہ نکاح) کے بعد تیسری مرتبہ طلاق ہو جائے، تو اس کے بعد یہ عورت اپنے سابقہ خاوند کے نکاح میں نہیں آ سکتی۔ ہاں! البتہ! اگر وہ کسی اور شخص سے نکاح کرے اور اس سے بھی طلاق ہو جائے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنے پہلے خاوند سے نکاح کر لے، بشرطیکہ انہیں توقع ہو کہ وہ اب قانونِ خداوندی کی حدود کی نگہداشت کر سکیں گے۔

یہ ہیں عائلی زندگی سے متعلق وہ قوانین جنہیں اللہ ان لوگوں کے لئے واضح طور پر بیان کرتا ہے جو معاشرتی زندگی کی مصلحتوں کا علم رکھتے ہیں۔

یہ ہیں وہ آیات جنہیں تائید میں پیش کر کے کہا جاتا ہے کہ اگر کسی نے تین مرتبہ کہہ دیا۔ "طلاق، طلاق، طلاق" تو پھر حلالہ کرنا پڑے گا۔ ان آیات کا یہ مفہوم خلافِ قرآن ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، طلاق کے معنی ہیں عقدِ نکاح سے آزاد ہو جانا۔ نکاح کا فسخ (ختم) ہو جانا۔ فسخِ نکاح اس طریق کے مطابق ہوتا ہے جس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ طلاق کا لفظ کہہ دینے سے نکاح فسخ نہیں ہو جاتا خواہ اسے تین چھوڑتین سو مرتبہ بھی کیوں نہ دہرایا جائے۔ تین طلاق کے معنی ہیں ایک میاں بیوی کی ازدواجی زندگی میں تین مرتبہ نکاح کا فسخ ہو جانا۔ دو مرتبہ فسخِ نکاح کے بعد اس کی گنجائش رہتی ہے کہ وہ باہمی میاں بیوی بن سکیں۔ لیکن تیسری مرتبہ فسخِ نکاح کے بعد اس کی گنجائش نہیں رہتی، بجز اس صورت کے جس کا ذکر

اوپر کیا جا چکا ہے۔ اس صورت میں بھی دوسرے شخص سے نکاح کے معنی شب بوسری (حلالہ) نہیں۔ اس سے مراد باقاعدہ میاں بیوی کی زندگی بسر کرنا ہے۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ مہر، نکاح کے وقت ادا ہو جانا چاہیے۔ لیکن اگر عورت نے اس کی وصولی کو ملتوی کر دیا تھا تو طلاق سے چونکہ معاہدہ نکاح نسخ ہو جاتا ہے اس لئے اس وقت مہر کی ادائیگی ضروری ہو جائے گی۔ اس سلسلہ میں مہر کا عنوان دیکھئے جس میں اس کی بابت تفصیلات دی جا چکی ہیں۔



(۱۲) عِدَّتْ

عِدَّتْ اس مدت کا نام ہے جس میں مطلقہ (یا بیوہ عورت) کسی دوسری جگہ شادی نہیں کر سکتی۔ اس سے حقیقت مقصد یہ ہے کہ اس بات کا یقینی طور پر تعین ہو جائے کہ اگر عورت حمل سے ہے تو ہونے والا بچہ اس کے سابقہ شوہر کی جائز اولاد ہے۔ مرد کے لئے عِدَّتْ نہیں قرآن نے جہاں کہا ہے کہ **وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ** **وَاللِّرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ**۔ (۲۳۸) عورت کے اتنے ہی حقوق ہیں جتنی اس کی ذمہ داریاں ہیں۔ لیکن مردوں کو ایک فوقیت حاصل ہے؛ وہ فوقیت یہ ہے کہ مرد کے لئے عِدَّتْ نہیں۔ وہ طلاق کے فوری بعد دوسری جگہ شادی کر سکتا ہے۔

(۲) مطلقہ عورت کی عِدَّتْ تین حیض (ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ) ہے (۲۳۸)۔ وہ جو کہا گیا ہے کہ طلاق اس وقت دی جائے جب عورت حیض سے فارغ ہو جائے، تو اس سے مقصد یہی ہے کہ عِدَّتْ کے شمار کرنے میں یقین ہو (۲۳۵)۔

(۳) جو عورتیں اتنی سن رسیدہ ہو چکی ہوں کہ وہ حیض کی طرف سے ناامید ہوں۔ یا جنہیں کسی بیماری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو، ان کی عِدَّتْ تین مہینے ہوگی۔

وَالْحَيْضُ يَأْتِيَنَّ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ امْرَأَتُهُمْ فَعَلَتْهُنَّ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ وَالْحَيْضُ لَمْ يَحِيضْنَ. (۲۳۵)

(جیسا کہ ۲۳۸ میں بتایا جا چکا ہے، عِدَّتْ کی مدت عام حالات میں تین حیض کا زمانہ ہے لیکن) جن عورتوں کو حیض آتا بند ہو چکا ہو (وہ حیض کی طرف سے مایوس ہو چکی ہوں) اور اس وجہ سے یہ دشواری لاحق ہو کہ ان کی عِدَّتْ کا شمار کس طرح کیا جائے تو ان کے لئے تین حیض کے بجائے تین مہینے، عِدَّتْ کے شمار کرو۔ یہی عِدَّتْ ان عورتوں کے ضمن